© rasailojaraid.com

قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین

کہ وادِ یارِ ص الشام کثیر النمل، وہ ایک وادی ہے سرزمین شام میں جہاں چیونٹیاں بہت ہیں۔ لیکن تاریخ و جغرافیہ کی کسی کتاب میں اور آثارِ قدیمہ کی کسی تحقیقات میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اس وادی میں بنی النمل نامی کوئی قبیلہ بھی رہتا تھا۔ یہ صرف ایک من گھڑت ہے جو اپنی تاویل کی گاڑی چلانے کے لیے وضع کر لی گئی ہے۔

بنی اسرائیل کی روایات میں بھی یہ قصہ پایا جاتا ہے، مگر اس کا آخری حصہ قرآن کے خلاف ہے اور حضرت سلیمانؑ کی شان کے خلاف بھی ہے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ جب ایک وادی سے گزر رہے تھے جس میں چیونٹیاں بہت تھیں تو انہوں نے سنا کہ ایک چیونٹی پکار کر دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے کہ "اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ ورنہ سلیمان کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں گے۔" اس پر حضرت سلیمان نے اس چیونٹی کے سامنے بڑے تکبر کا اظہار کیا اور جواب میں اس چیونٹی نے ان سے کہا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے، ایک حقیر بوند سے تو تم پیدا ہوئے ہو۔ یہ سن کر حضرت سلیمان شرمندہ ہو گئے (جیوئش انسائیکلوپیڈیا، ج ۱۱، ص ۴۴۰)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کس طرح بنی اسرائیل کی غلط روایات کی تصحیح کرتا ہے اور ان گندگیوں کو صاف کرتا ہے جو انہوں نے خود اپنے پیغمبروں کی سیرتوں پر ڈال دی تھیں۔ ان روایات کے متعلق مغربی مستشرقین بے شرمی کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن نے سب کچھ ان سے سرقہ کر لیا ہے۔

عقلی حیثیت سے یہ بات کچھ بھی بعید نہیں ہے کہ ایک چیونٹی اپنی جنس کے افراد کو کسی آتے ہوئے خطرے سے خبردار کرے اور بلوں میں گھس جانے کے لیے کہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت سلیمان نے اس کی بات کیسے سن لی، تو جس شخص کے حواس کلامِ وحی جیسی لطیف چیز کا ادراک کر سکتے ہوں، اس کے لیے چیونٹی کے کلام جیسی کثیف (CRUDE) چیز کا ادراک کر لینا کوئی بڑی مشکل بات نہیں ہے۔

۲۵۔ اصل الفاظ ہیں رَبِّ أَوْزِعْنِي۔ وزع کے اصل معنی عربی زبان میں روکنے کے ہیں۔ اس موقع پر حضرت سلیمان کا یہ کہنا کہ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ (مجھے روک کہ میں تیرے احسان کا شکر ادا کروں)، ہمارے نزدیک دراصل یہ معنی دیتا ہے کہ اے میرے رب جو عظیم الشان قوتیں اور قابلیتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر کیا ہے اور ایسا عملِ صالح کروں جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر۲۶

تو نے مجھے دی ہیں وہ ایسی ہیں کہ اگر میں ذراسی غفلت میں بھی مبتلا ہو جاؤں تو حدِ بندگی سے خارج ہو کر اپنی کبریائی کے خبط میں نہ معلوم کہاں سے کہاں نکل جاؤں۔ اس لیے اے میرے پروردگار تو مجھے قابو میں رکھ تاکہ میں کافرِ نعمت بننے کے بجائے شکرِ نعمت پہ قائم رہوں۔

۲۶ ؎ صالح بندوں میں داخل کرنے سے مراد غالباً یہ ہے کہ آخرت میں میرا انجام صالح بندوں کے ساتھ ہو اور میں ان کے ساتھ جنت میں داخل ہوں۔ اس لیے کہ آدمی جب عمل صالح کرے گا تو صالح تو وہ آپ سے آپ ہو گا ہی، البتہ آخرت میں کسی کا جنت میں داخل ہونا محض اس کے عمل صالح کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اللہ کی رحمت پر موقوف ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لن یدخل احد کم الجنۃ عملہ "تم میں سے کسی کو بھی محض اس کا عمل جنت میں نہیں پہنچا دیگا" عرض کیا گیا کہ ولا انت یا رسول اللہ "کیا حضور کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔" فرمایا ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ تعالیٰ برحمتہ۔ "ہاں، میں بھی محض اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں نہ چلا جاؤنگا جب تک اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے نہ ڈھانک لے۔"

حضرت سلیمان کی یہ دعا اس موقع پر بالکل بے محل ہو جاتی ہے اگر النمل سے مراد انسانوں کا کوئی قبیلہ لے لیا جائے اور نملۃ کے معنی قبیلۂ نمل کے ایک فرد کے لیے جائیں۔ ایک بادشاہ کے لشکرِ جرار سے ڈر کر کسی انسانی قبیلہ کے ایک فرد کا اپنے قبیلے کو خطرہ سے خبردار کرنا آخر کونسی ایسی غیر معمولی بات ہے کہ وہ جلیل القدر بادشاہ اس پر خدا سے یہ دعا کرنے لگے۔ البتہ ایک شخص کو اتنی زبردست قوتِ ادراک حاصل ہونا کہ وہ دور سے ایک چیونٹی کی آواز بھی سن لے اور اس کا مطلب سمجھ جائے، ضرور ایسی بات ہے جس سے آدمی کے غرورِ نفس میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو۔ اس صورت میں حضرت سلیمان کی یہ دعا برمحل ہو سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

—— مخالفتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے ——

اور اُجالا پھیلتا ہی گیا

(از جناب نعیم صدیقی صاحب)

بہت سے لوگ تلوار کے زور سے قطعاتِ ارضی کے عارضی فاتح بنے ہیں، بہت سی بادشاہتیں اور آمرتیں جبر کے زور سے قائم ہوتی رہی ہیں اور کشاکشِ مفاد کے بے شمار فیصلے جنگ کے میدانوں میں طے پاتے رہے ہیں۔ لیکن دنیا کی کوئی بھی انقلابی تحریک ہو اسے اپنی قسمت کا فیصلہ ہمیشہ رائے عام کے دائرے میں کرنا ہوتا ہے۔ انسانی قلوب جب تک اندر سے کسی دعوت کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوں اور اپنے ذہن و کردار کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے راضی نہ ہو جائیں، محض جبر و تشدد سے حاصل کیے ہوئے علمبردار اس کے لیے مفید نہیں ہو سکتے بلکہ اُلٹا وہ اس کی کامل بربادی کا سبب بن جاتے ہیں۔ پس ہر اصولی تحریک کا اصل مزاج تعلیمی ہوتا ہے اور اس کے چلانے والوں میں مربیانہ اور معلمانہ شفقت کی روح کام کر رہی ہوتی ہے۔ اصولی تحریکوں کی نگاہ میں زندگی ایک مدرسہ کی نوعیت رکھتی ہے اور افرادِ انسانی اس مدرسہ کے طلبہ ہوتے ہیں۔ ان طلبہ کی مجموعی فلاح تقاضا کرتی ہے کہ شرارت پسندوں کی اصلاح کے لیے اور ان کے اثر سے شریف اور متوسط عناصر کو محفوظ رکھنے کے لیے تادیب کا عصا بھی کبھی کبھار حرکت میں آتا رہے، لیکن مجموعی فضا بہرحال طلبہ کے حق میں رحمت و شفقت کی فضا ہوتی ہے اور خود تادیب کے عصا کی ہر جنبش میں بھی استاد کے مربیانہ جذبات ہی کارفرما ہوتے ہیں۔ سچائی کے کلمے اور نیکی کے نظام کو لے کر اللہ کے جو بندگانِ پاک تاریخ کے مختلف ادوار میں اُٹھتے رہے ہیں انہوں نے چار و ناچار شر و فساد کی سرکوبی کے لیے میدانِ جنگ میں بھی قدم رکھا ہے اور تلوار سے عصائے تادیب کا کام بھی جزئی حد تک لیا ہے، مگر فی الحقیقت ان کا مجموعی کام ہمیشہ مربیانہ و مشفقانہ

© rasailojaraid.com

روح کے ساتھ ٹھیک تعلیمی انداز سے جاری رہا ہے۔ انہوں نے اصل فیصلہ کن معرکہ دلیل کی طاقت سے رائے عام کے وسیع تر دائرے ہی میں لڑا ہے۔ ان کا اصول ہر دور میں یہ رہا ہے کہ جسے نئی زندگی حاصل کرنی ہو وہ دلیل سے حاصل کرے اور جسے اس زندگی سے محروم رہ کر اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتارنا پسند ہو وہ دلیل ہی کے ماننے سے مرے۔

حضورؐ کے جنگی اقدامات کو دیکھیں تو معرکۂ بدر سے لے کر فتح مکہ تک (فتح خیبر سمیت) کل پانچ بڑے معرکے ہوئے جو اصل حقیقت کے لحاظ سے سارے کے سارے مدافعانہ ہی تھے لیکن ان میں سے اوّل الذکر تین تو اسی صورت میں لڑے گئے جبکہ دشمن نے چڑھائی کر کے مدینہ پر دھاوا بولا۔ لے دے کے دو ہی کارروائیاں مدینہ سے خود حضورؐ نے پیش قدمی کر کے کیں، یعنی ایک فتح مکہ (مع جنگ حنین) کے لیے، اور دوسری فتح خیبر کے لیے۔ پس ان دو ہی اقدامات میں فیصلہ ہو گیا۔ مدت کے لحاظ سے دیکھیں تو معرکۂ بدر سے فتح مکہ تک کل زمانہ چھ برس کا ہے۔ حضورؐ نے اپنے عظیم تبلیغی و تعلیمی اور تعمیری و اصلاحی کارنامے میں ۲۳ برس کی لمبی مدت کھپائی اور اس میں سے فقط چھ برس ایسے ہیں کہ جن میں تعلیمِ انسانیت کے مختلف کاموں کے ساتھ ساتھ حریفوں کی شمشیرِ جنگ پسند کا مقابلہ بھی مجبوراً کرنا پڑا۔ انتہائی مبالغہ سے اندازہ کریں تو بھی سارے کے سارے معرکوں میں مجموعی طور پر ۱۵ ہزار سے زیادہ افراد حضورؐ کا مقابلہ کرنے نہ آئے ہوں گے۔ ان میں سے صرف ۵۹۰ جانوں کو راستہ سے ہٹانے کے بعد عرب کی کئی لاکھ کی پوری آبادی سنور سدھر جاتی ہے۔ دس برس کے عرصے میں جو تاریخ کی وسعتوں میں بہت ہی محدود دکھائی دیتا ہے، عرب جیسے صحرا کو زندگی کے ایک مدرسۂ فلاح میں بدل دینا اور تمام بکھرے ہوئے قبائل اور انتہائی وحشی، سر پھرے اور جنگجو افراد کو اس میں داخل کر لینا اور پھر ان کو عظیم سچائیوں اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دینے میں کامیاب ہو جانا اور نہ صرف تعلیم دینا بلکہ نوعِ انسانی کے لیے ان کو معلّم و مربّی بنا دینا، شاید حضورؐ کی نبوت کا سب سے بڑا حسّی معجزہ ہے۔

پس یہ امر ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو جاتا ہے کہ اسلام کی انقلابی تحریک کے خلاف

© rasailojaraid.com

جاہلیت کی کشمکش کا فیصلہ ہونے میں جنگی معرکوں کا کتنا بھی اثر پڑا ہو، لیکن بہر حال فیصلہ کا اصل میدان رائے عامہ کا میدان تھا ـــ بلکہ ذرا روحانی زبان میں بات کہیں تو دلوں کا میدان تھا ـــ عرب کے لاکھوں مرد و زن مفتوح ہوئے تو اسی میدان میں دلیل اور اخلاق کے اسلحہ سے مفتوح ہوئے۔ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہم اپنے مقالہ کی اس آخری فصل میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہر جہتی مخالفت اور مردافگن مزاحمتوں کے نت نئے طوفانوں کے باوجود یہ کیسے ممکن ہوا کہ ایک قلیل مدت میں دس لاکھ مربع میل سرزمین پر پھیلی ہوئی کثیر التعداد اولادِ آدم اسلامی نظامِ حیات کے سلیے میں آگئی۔ تیرہ و تاریکیوں کا سینہ چیر کر کیسے نورِ صبح مسکرائی اور اس کی مسکراہٹوں نے ہر چہار جانب ایک پاکیزہ اجالا پھیلا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت اگر حق ہو، تحریک اگر انسانی فلاح پر مبنی ہو اور اس کے علمبردار اگر مخلص اور ایثار پیشہ ہوں تو مخالفتیں اور مزاحمتیں ہمیشہ انقلابی قافلہ کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہیں۔ ہر رکاوٹ ایک سنگِ میل بن جاتی ہے۔ راستے کا ہر کانٹا رہبری کرنے لگتا ہے۔ درد کی ٹیسیں جب فغاں کا روپ اختیار کرتی ہیں تو فغاں ہی بانگِ جرس بن جاتی ہے۔ پیر لہولہان ہوتے ہیں تو خون کی ہر بوند کو شرارۂ عشق ایک چراغِ روشن میں بدل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سچائی اگرچہ ایک اقلیت کے ساتھ ابھرتی ہے، لیکن اکثریت کو ہضم کر لیتی ہے۔ آئیے دیکھیں کہ تحریکِ اسلامی نے کن کن قوتوں سے کام لے کر رائے عامہ کے دائرے میں تیزی سے قدم بڑھانے کے راستے بنائے۔

دلیل کی قوت | تحریکِ اسلامی کی سب سے بڑی قوت دلیل کی قوت تھی۔ پیری مریدی کا کوئی نظام ہوتا تو مخاطبوں کی عقلوں کو سُن کرتا، روایتی مذہبیت کا کوئی پیغام ہوتا تو اوہام پسندی کے رجحانات کی آبیاری کرتا، رہبانی تصوف کا کوئی سلسلہ ہوتا تو "چشم بند و گوش بند و لب بہ بند" کا افسوں پڑھتا مگر وہاں تو ایسی ذی شعور روحوں کی مانگ تھی جو خدا پرستی کی بنیادوں پر پورا ایک نظامِ تمدن اٹھا سکیں اور اسے حسن و خوبی سے چلا سکیں۔ اس لیے تحریکِ اسلامی نے اپنی دعوت پیش کی تو سوئی ہوئی عقلوں کو چونکایا، دماغوں کو جھنجوڑ کر بیدار کیا، آنکھیں کھول کر دیکھنے اور کان کھول کر سننے کی تلقین کی، نظامِ کائنات میں تدبر کرنے کی ترغیب دلائی، انفس و آفاق کے احوال کا تجزیہ کرنے کا سبق دیا۔ نت نئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال چھیڑ چھیڑ کر فکروں میں تحریک پیدا کی، ذہنی تقلید کے بند ھنوں کو توڑا، فضول روایات و رسوم کے جال پارہ پارہ کیے، آبا پرستی اور ماضی پرستی کے سحر کو باطل کیا۔ اُس نے کالانعام قسم کی مخلوق کے اندر سے سوچنے سمجھنے والا انسان برآمد کرنے کی تدبیر کی، اس نے صمٌ بکمٌ عمیٌ قسم کے افراد کو ٹھونکے لگا لگا کر بے شعوری کی پینک سے نکالا؛ اس نے دماغوں سے زنگ دُور کیا، الغرض اس نے جاہلیت کے مسلط کردہ عقلی جمود کو توڑ دیا۔ اس طرح جو جو رحیں جاگتی گئیں اور جن لوگوں کی عقلیں انگڑائیاں لے کر اٹھنے لگیں ان کے سامنے زندگی کی بنیادی سچائیاں رکھیں اور اپنے استدلال کے زور سے یکے بعد دیگرے ان کو متاثر کر کے چھوڑا۔

تحریکِ اسلامی نے خدائے واحد کو خالق، مالک، رازق، حاکم اور ہادی کی حیثیت سے پیش کیا تو اس زورِ استدلال سے پیش کیا کہ جوابی اوہام کے اسلحہ کند ہو کر رہ گئے۔ اُس نے انسانی قوتِ مشاہدہ کو اکسا کر دعوت دی کہ زمین و آسمان کی نیرنگیوں پر نگاہ ڈالو، چاند تاروں کی گردش پر غور کرو، موسموں کے چڑھتے کا گھماؤ دیکھو، ہواؤں اور بارشوں کے نظام میں کاوش کرو، نباتات کی روئیدگی و بالیدگی کے مناظر سے سبق لو، حیوانات کی نشو و نما اور ان کے تناسل میں دماغ کھپاؤ، انسانی گروہوں کی رنگارنگی اور تمدنوں کے مدوجزر کا مطالعہ کرو، اپنے نفوس و اذہان کی گہرائیوں میں جھانکو! ــــ تم دیکھو گے کہ ہر طرف اٹل قوانین اپنا کام کر رہے ہیں، ہر دائرۂ وجود میں ایک نظم کی کارفرمائی ہے، چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے واقعات و حوادث کا رُخ کسی غایت کی طرف ہے، گوناگوں اضداد باہم دگر تعاون کر رہے ہیں، پورے کارخانۂ ہستی میں ایک توافق کارفرما ہے، کثرت وحدت کے رشتے میں بندھی ہے، پھر ہر شے میں ارتقا ہے، ہر چیز بہتری کی طرف جا رہی ہے، ہر علّت کسی اہم تر نتیجے کو پیدا کر رہی ہے اور پھر ہر نتیجہ خود آگے کے لیے ایک علّت بن رہا ہے۔ یہ قانون، یہ نظم، یہ توافق، یہ تعاون، یہ وحدت، یہ ارتقا آپ سے آپ بطور ایک اتفاقی حادثے کے نمودار نہیں ہوا۔ چیزیں اپنے آپ کو خود تجویز نہیں کرتیں، اپنا نقشہ خود نہیں بناتیں، بے شعور اور بے جان مادہ اونچے موجودات کی تخلیق آپ سے آپ نہیں کرتا، عناصر باہمی مشورے سے توافق نہیں کرتے، بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک بالاتر ہستی ــــ فعال و مختار اور حکیم و خبیر ہستی ــــ ایک ناظم، ایک ڈائرکٹر، ایک حکمراں اور ایک قانون ساز کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ تمام قوات و عناصر اسی کی تسبیح کہتے ہیں، تمام موجودات اسی کے حضور میں سجدہ ریز ہیں، تمام مخلوق اس کے طبعی دین کی پابند ہے۔ عظیم سورجوں سے لے کر ننھے سالموں تک ہر شے اس کی بارگاہ میں مسلم کی حیثیت سے سرِ انقیاد خم کیے ہوئے ہے۔ پھر اسلامی تحریک نے بتایا کہ اگر اتنے بڑے کارخانۂ وجود کے اوپر ایک سے زیادہ مالک اور منتظم ہوتے تو ان کے درمیان ٹکراؤ ہو جاتا اور یہ یک رنگی اور یک آہنگی کسی طرح قائم نہ رہتی جس کا مشاہدہ تم کر رہے ہو۔ گویا کتاب کائنات کا ہر ورق خدا کی ہستی ہی پر نہیں بلکہ اس کی توحید پر اور اس کی مختلف صفات پر محکم دلائل سے بھرا پڑا ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے دلیل کے زور سے واضح کیا کہ یہ کائنات جو پوری کی پوری خدا کے دین اور قانون میں جکڑی ہوئی ہے اور جس کا ہر ذرہ اس کے سامنے مسلم بن کر حاضر ہے، اس میں کسی مخلوق کے لیے بندگی و طاعت اور اسلام و انقیاد کا رویہ اختیار کیے بغیر کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم خدا کے مسلم ہو گے تو ساری کائنات سے ہم آہنگ ہو جاؤ گے اور تمہارا نظامِ تمدن ویسے ہی امن و توافق کا مظہر بن جائے گا، جیسا مادہ کی ساری نگری میں کارفرما ہے اور تم اگر خدا سے بغاوت اور کفر کرو گے تو نظامِ کائنات سے تمہارا نظامِ تمدن بے ربط ہو جائے گا اور اس میں وہ توازن و توافق نہیں رہے گا جو زمین و آسمان میں کارفرما ہے اور جس کی وجہ سے موجودات سلامتی سے بہرہ مند ہو کر ارتقا کر رہے ہیں۔ اس کائنات میں انسان کے لیے بھی فلاح کی واحد راہ یہی ہے کہ وہ خدا کے دین اور خدا کے قانون کا پابند ہو کے رہے۔ تم جو خدا کے پیدا کیے سے پیدا ہوتے ہو، اس کے رزق پر پلتے ہو، اس کی قوتوں کے بل پر زندگی گزارتے ہو، اس کی زمین پر رہتے اور اس کے آسمان کے نیچے چلتے پھرتے ہو اور ہاں تم کہ جن کے بدن کا عضو عضو اور جن کے اعضاء کا ذرہ ذرہ مسلم بن کر خدائی قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ تمہارے لیے زندگی کی کوئی سیدھی راہ ہے تو خدا کی بندگی ہی کی راہ ہے۔ تمہاری فطرت کا خمیر اسی بندگی کے عہد سے اٹھایا گیا ہے اور تمہارے ضمیروں میں احساس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبودیت پیوست ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے اُسی زورِ استدلال سے یہ حقیقت بھی اجاگر کی کہ خدا کی طرف سے ہدایت کی احتیاج ہر ہر ذرّے کو ہے۔ وہی عناصر کی تقدیریں مقرر کرنے والا ہے، وہی اجرامِ فلکی کے مدار اور ان کی رفتاریں طے کرتا ہے، وہی اشیاء کو مختلف خواص دیتا ہے، وہی ہر ہر قوت کو اس کے خاص فرائض میں لگاتا ہے اور وہی ہر مخلوق کے لیے راہِ عمل معین کرتا ہے۔ دوسرے موجودات کی طرح انسان بھی اس کی ہدایت کا اسی طرح محتاج ہے جیسے وہ روشنی، ہوا اور پانی کا محتاج ہے۔ خدا نے اپنی ہدایت سے مخلوق کو بہرہ مند کرنے کے لیے وحی کا نظام مقرر کیا ہے۔ بے جان عناصر کے لیے طبعی جبریت، نباتات کے لیے قوتِ نمو، حیوانات کے لیے جبلت وحی کا ذریعہ ہے لیکن انسان چونکہ شعور سے بہرہ مند ہے اس لیے اس کے لیے وحی کی وہ تکمیلی صورت مقرر کی گئی ہے جس کے تحت اس کے شعور کو مخاطب کیا جاتا ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے اپنی اصولی دعوت کے اس جزو کو بھی دلیل ہی کے زور سے قابلِ قبول بنایا کہ جب اس کائنات میں علت و معلول اور سبب و نتیجہ کا قانون کام کر رہا ہے تو انسان کے اخلاقی اعمال کو بھی اس جامع قانون کے تحت کسی تکمیلی نتیجہ تک پہنچنا چاہیے۔ اس نے قانونِ مکافات کو تاریخ میں دکھا کر ثابت کیا کہ اس قانون کے احاطے میں انسان کی تمدنی سرگرمیوں کو بھی آنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی دکھایا کہ انسان کی اس محدود امتحانی زندگی میں محدود قانونِ مکافات کے تحت پورے کے پورے نتائجِ اعمال سامنے نہیں آتے بلکہ بسا اوقات ایک سلسلۂ اعمال ہی کی تکمیل نہیں ہو پاتی، نیز اس سے بھی بڑھ کر بہت سی صورتوں میں بالکل اُلٹے نتائج سے آدمی کو دوچار ہونا پڑتا ہے لہٰذا اس خدائی نظام سے توقع کرنی چاہیے کہ ارضی زندگی کے بعد کسی نئے دورِ حیات میں انسانی اعمال کے نتائج کو بھرپور طریق سے ظہور کرنا ہے۔ خدائی عدل جو ہر طرف کارفرما ہے اس کا عقلی تقاضا یہ ہے کہ جو جیسا کرے ویسا بھرے۔ اس طرح اس نے حیات بعد الموت اور محاسبۂ آخرت اور جزا و سزا کا تصور دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر ان ساری بنیادی سچائیوں کو ثابت کرنے کے لیے اس نے پچھلی پوری انسانی تاریخ پیش کر دی۔ ایک ایک قوم کی داستان کو لیا اور دکھایا کہ جن انسانی گروہوں نے زندگی کا نظام ان حقائق پر اٹھایا انہوں نے فلاح پائی اور جنہوں نے ان سے روگردانی کی وہ خوار و رسوا ہو کر ملیامیٹ ہو گئے۔ جن افراد نے ان کو قبول کیا ان کے دل و دماغ روشن ہو گئے اور ان کے کردار جگمگا اٹھے اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی وہ پستیوں میں گرتے چلے گئے۔ دکھایا کہ یہ وہ سچائیاں ہیں جن کی دعوت ہر دورِ تاریخ میں ہر قوم کے سامنے ایک ہی طرز کے لوگوں نے بار بار پیش کی اور ان کو غالب کرنے کے لیے بے لوث جذبۂ اخلاص کے ساتھ جان و مال کی ساری متاع نچھاور کر دکھائی۔

اسلامی تحریک کی یہ اساسی دعوت اپنے پورے استدلالات کے ساتھ قرآن میں پھیلی ہوئی ہے۔ اسے بڑے حُسنِ تکرار سے پیش کیا گیا، اسے دلرُبا تصریفِ آیات کے ساتھ لایا گیا، اس کے لیے بہترین ادبی زبان استعمال کی گئی، اس میں جذباتِ لطیف کا رس گھول دیا گیا، مخالفانہ اعتراضات کو ساتھ کے ساتھ صاف کیا گیا، منکروں اور حریفوں کی نکتہ آفرینیوں اور طنز و استہزا کا سنجیدگی سے تجزیہ کیا گیا۔ پھر کہیں عبرت دلائی، کہیں تنبیہ کی، کہیں شرم دلائی، کہیں چیلنج دیا، کہیں نرمی اور لطافت سے دلوں کو پگھلایا، کہیں استفہام کا انداز اختیار کیا، کہیں استعجاب کا رنگ بھرا، غرضیکہ مختلف اسالیب سے انسانی ذہن کو اس طرح گھیرا کہ اربابِ شعور کے لیے کوئی راہِ فرار کھلی نہ رہنے دی اگر بازی تلوار کے زور سے جیتی جانے کی ہوتی تو آخر استدلال کے اتنے اہتمام کی ضرورت ہی کیا تھی جو قرآن کے دو تہائی بلکہ زائد حصے میں پھیلا ہوا ہے۔

درحقیقت اسلامی تحریک کی بے پناہ قوتِ استدلال نے اپنے مخاطبوں کو بے دم کر دیا۔ اور ان میں سے اہلِ سعادت نے قبولِ حق کے لیے دلوں کے دروازے کھول دیئے اور اہلِ زیغ مجبور ہوئے کہ دلیل کی بازی ختم کر کے تشدد کے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئیں۔ جو بھی دعوت و تحریک اپنے مخاطبوں کو اس مرحلے پر پہنچا دیتی ہے وہ آخر کار میدان مار لے جاتی ہے۔

خیر خواہانہ اپیل دلیل مجرد دلیل ہی نہ تھی بلکہ دلیل کے ساتھ دلوں کو پگھلا کر موم کر دینے والی اُمور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھاگنے والوں کو قریب کھینچنے والی، روحوں کے بند دروازوں پر دستک دے کر ان کو کھلوا لینے والی اپیل بھی شامل تھی۔ دعوتِ حق کی اپیل نے چٹانوں میں احساس اُبھار دیا، لکڑی کے کندوں میں جذبات کی لہریں پیدا کر دیں اور اکھڑ دشمنوں کی آنکھوں کو "اشک آلود کر دیا۔ اسلامی تحریک کے ساز سے ایسے ایسے روح پرور نغمات اٹھے کہ دلوں میں حیاتِ نو کی رَو دوڑا گئے۔ جاؤ، قرآن کھول کے دیکھو کہ کس طرح اس کے ایک ایک جملے میں شعور کے نُور کے ساتھ جذبوں کی گرمی گھُلی ہوئی ہے۔ یہ دو آتشہ صہبائے طہور تھی کہ جس نے بڑے بڑے سنگدلوں کو مسخر کر لیا اور جس نے حق کے دشمنوں کو حق کا خادم بنا دیا۔ پھر اس کا ادبی زور ایسا سحر آفریں تھا کہ اس نے چمنِ فصاحت کی بلبلوں کو ساکت، وقت کی بزمِ سخن میں نغمہ آفریں شعراء کو گنگ کر دیا۔ اُس نے ایسی عربیٔ مبین میں کلام کیا کہ سارا عرب ویسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہ گیا۔ ہم یہاں دعوتِ حق کے نغمہ کے چند بول پیش کر رہے ہیں :-

"ان سے کہو (اے پیغمبر! میری طرف سے) کہ اے میرے بندو، جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے ہو، اللہ کی رحمت سے اپنی آس نہ توڑو۔ یقیناً (تم رجوع کرنے والے بنو تو) خدا سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے اور یقیناً وہ درگزر کرنے والا مہربان ہے۔ اور تم اپنے رب کی طرف جھکو اور اس کے حضور میں سرِ تسلیم خم کر دو، قبل اس کے کہ تم کو عذاب آگھیرے اور پھر تمہیں کوئی مدد نہ مل سکے! اور پیروی کرو اُس بہترین نوشتۂ ہدایت کی جو تمہارے رب کی بارگاہ سے تمہاری جانب بھیجا گیا ہے، قبل اس کے کہ تمہیں عذاب اچانک آ پکڑے جبکہ تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ پھر اس وقت کوئی جان یہ کہتی رہ جائے کہ ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے حق میں دکھائی اور میں دحقیقت کی ہنسی اڑاتا رہا۔ یا وہ مایوس ہو کر کہے کہ اگر اللہ مجھے راستہ سجھاتا تو میں سنبھل کر چلنے والوں میں شامل ہوتا۔ یا جب وہ عذاب کو دیکھے تو یوں کہے کہ اگر ایک موقع اور ملے تو میں احسان کیش لوگوں میں جا ملوں"۔

(الزمر ۵۳ تا ۵۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ایک ٹکڑے میں بڑے ایجاز سے وہ ساری بنیادی سچائیاں سموئی ہوئی ہیں جن کی آئینہ دار محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی۔ پھر اس میں عقلی استدلال بھی موجود ہے اور اس کے ساتھ دل ہلا دینے والا جذباتی اپیل ہے۔ اس میں بشارت بھی ہے اور انتباہ بھی۔ قرآن اس طرح کی زنگا رنگ پکاروں سے بھرا پڑا ہے۔ مٹی سے بنے ہوئے انسانی پتلوں کے بس میں نہ تھا کہ ایسے انقلاب آفریں کلام کی موجوں کے سامنے کھڑے رہ سکتے جبکہ اس کے ریلے مسلسل چلے آرہے تھے — ہر صبح، ہر شام، ہر آن!! — تئیس سال تک متواتر یہ سیل معنی اُمڈتا رہا تو آخر کیسے تصور میں آسکتا ہے کہ تودا اور جرارت کی ان رووں کی زد پر آنے والے آدم زاد اپنی جگہوں پر جوں کے توں جامد رہ سکتے۔ دو اور الہام پارے جن میں عمومی خطاب ہے ملاحظہ ہوں :—

"اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم کو متنبہ نہ کر دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے — اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی ہے راہِ راست اور وہ اس کے باوجود تم میں سے بہت سی خلقت کو بہکا لے گیا۔ پھر کیا تم لوگ سوجھ بوجھ سے کام نہ لے سکتے تھے؟" (یٰس ۶۰ تا ۶۲)

"کہہ دو (اے پیغمبرؐ) کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے حق تم تک آچکا ہے۔ اب جو کوئی بھی راہ یاب ہو تو اس کا راہ یاب ہونا اس کی اپنی جان کے لیے (سودمند) ہے اور جو کوئی بھٹکے تو اس کا بھٹکنا خود اسی کے لیے (موجبِ خسران) ہے۔ اور میں تم پر مختار نہیں ہوں۔" (یونس - ۱۰۸)

وہ لوگ جنہوں نے مخالفت کے محاذ کھولے ان کے بھی بہترین احساسات کو پکارا گیا اور زیادہ سے زیادہ موثر اور دلگداز اسلوب سے ان کی اساسی فطرت کو اپیل کیا گیا۔ مشرکین مکہ ہوں یا اہلِ کتاب، ہر گروہ کے بہترین عناصر کو بہترین اسلوب سے خطاب کیا اور ان کے بہترین جذبات کو حرکت میں لانے کی کوشش کی حتیٰ کہ منافقین کو بھی اصلاح کی دعوت دی۔ اس سلسلے کی مثالیں بھی الگ الگ پیش کی جاتی ہیں :—

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشرکین سے خطاب :-

"اللہ نے ایک بستی کی مثال دی ہے جو امن چین سے دن گذار رہی تھی اور اس کی روزی ہر چہار جانب سے بافراط چلی آرہی تھی، پھر اس (کے باشندوں) نے خدا کے احسانوں کی ناشکری کی، سو اللہ نے ان کے کرتوتوں کے بدلے میں انہیں بھوک اور خوف (کی حالت) کا لباس پہنا کر مزہ چکھایا۔ اور ان کے درمیان خود انہیں میں سے پیغمبر مبعوث ہو چکا تھا، پھر انہوں نے اسے جھٹلا دیا، پس ان کو عذاب نے آ پکڑا ـــ اور وہ تھے ہی ظالم!"

اہلِ کتاب سے خطاب :

"اے اہلِ کتاب! ہمارا رسول تمہارے پاس آچکا جو کتابِ الٰہی کی ان بہت سی حقیقتوں کو تمہارے سامنے نتھار کر لا رہا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو، اور وہ بہت ساری چیزوں سے درگزر بھی کرتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی آچکی اور واضح کتاب پہنچ چکی جس کے ذریعے اللہ ایسے لوگوں کو سلامتی کی راہ پر لاتا ہے جو اس کی رضیات کے پیچھے چلیں اور انہیں تاریکیوں سے نکال نکال کر اپنے حکمِ خاص کے مطابق اجالے میں لاتا ہے اور انہیں راہِ راست کی طرف رہنمائی دیتا ہے۔" (المائدہ - ۱۶)

"کہو! اے پیغمبر! کہ اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق کے مبالغہ سے کام نہ لو اور (اپنے ہاں کے) ایسے لوگوں کے نفسانی رجحانات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے سے گمراہ ہیں اور جنہوں نے بہتوں کو بہکا دیا ہے اور جو سیدھی راہ سے دور جا پڑے ہیں۔"

(المائدہ ـــ ۷۷)

"اے اہلِ کتاب! رسولوں کے سلسلۂ بعثت میں ایک لمبے وقفے کے بعد ہمارا رسولؐ تمہارے پاس آچکا جو حقیقتوں کو تمہارے سامنے نتھار کر لا رہا ہے ـ (ممکن ہے) کہیں تم (بہ طورِ عذر) کہو کہ ہم تک تو کوئی بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا آیا ہی نہ تھا۔ سو اب بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا تمہاری طرف آچکا۔" (المائدہ ۱۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے یہ فیصلہ دے دیا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور بہت بُری طرح سرکشی دکھاؤ گے۔ سو (اے بنی اسرائیل) جب پہلے وعدہ کا موقع آیا تو ہم نے تمہارے اوپر اپنے سخت جنگجو بندوں کو مسلط کر دیا، پھر وہ شہروں میں پھیل گئے۔ اور وہ وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے ان کے مقابلے میں تمہیں ایک موقع دیا اور اموال و اولاد سے تمہیں تقویت دی اور تمہاری تعداد بڑھا دی (اور تمہیں پھر مہلت دی کہ) اگر تم نے بھلائی اختیار کی تو اپنی ہی جانوں کا بھلا کیا اور اگر برائی کی تو وہ بھی اپنے ہی حق میں کی! پھر جب دوسرے وعدہ کا موقع آیا کہ وہ لوگ تمہارے چہروں کو (دُکھ اور ذلت کی سیاہی سے) کلونس دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اس طرح گھسیں جیسے وہ پہلے گھسے تھے اور جہاں وہ غلبہ پائیں وہاں تباہی پھیلا دیں۔ (تو تم نے پورا پورا مزہ چکھ لیا)! ـــ اب (جبکہ دعوتِ محمدیؐ کے نمودار ہونے سے تمہارے سامنے ایک فیصلہ کن موقع اور پیدا ہوا ہے) تمہارا رب چاہتا ہے کہ تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم پھر وہی کچھ کرو گے تو ہم بھی ویسا ہی مزہ چکھائیں گے۔ اور (آخرت میں) ہم نے جہنم کو نافرمانوں کے لیے ٹھکانا بنایا ہے۔"

(بنی اسرائیل ۔ ۴ تا ۸)

"کہو کہ اے اہلِ کتاب! اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (اور مشترک) ہے ـــ یہ کہ ہم ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی شے کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم لوگ اللہ کو چھوڑ کر باہم کر ایک دوسرے کو رب بنا لیں۔" (آل عمران ۔ ۶۴)

ـــ عیسائیوں سے خطاب!

"اور تم (یہود کے مقابلے میں) اُن لوگوں کو مسلمانوں کی محبت میں قریب تر پاتے ہو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں میں علماء اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درویش ہیں اور اس وجہ سے کہ یہ لوگ تکبر میں مبتلا نہیں ہیں۔ اور یہ لوگ جب اُس کلام کو سنتے ہیں جو رسولؐ پر اترا ہے تو ان کے حق کو پہچاننے کے باعث تم اُن کی آنکھوں کو دیکھتے ہو کہ آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، پس ہمیں حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ دے۔"

(المائدہ)

——منافقین سے خطاب :-

"کیا یہ (منافق) لوگ سوچتے نہیں کہ یہ ہر سال دو ایک بار آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی تو یہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ آیا کوئی تمہاری طرف دیکھ رہا ہے۔ پھر اٹھ کے چلے جاتے ہیں۔ ان کے دلوں کو خدا نے اس لیے پھیر دیا ہے کہ یہ لوگ سوجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے۔ دیکھو! تمہارے اندر سے رسول تمہارے پاس آچکا ہے، اس کے لیے بارِ خاطر ہے ہر وہ چیز جو تمہیں تکلیف دے، وہ تمہارا مشتاق ہے اور وہ اہلِ ایمان کے لیے شفیق اور مہربان ہے۔" (یونس - ۱۲۶ تا ۱۲۸)

قرآن دلوں کو پگھلا دینے والے ایسے بولوں سے بھرا پڑا ہے۔ روحوں میں پیوست ہو جانے والے جملے، ضمیروں میں تحریک پیدا کر دینے والے موتیوں جیسے الفاظ، احساسات کے تاروں کو چھیڑ دینے والے ادبی اسالیب! —— کتنی بڑی طاقت ہے قرآن اور کتنی ہنگامہ خیز رہی ہوگی دعوتِ حق! حقیقت کی یہ شعاعیں جب پے درپے برستی ہونگی تو اوسط درجے کے انسانوں کے لیے کیسے ممکن رہا ہوگا کہ وہ رفتار و کردار کی تاریکیوں کو سینے میں آراستہ کیے رکھیں۔ دلیل کی طاقت کے ساتھ جب اپیل کی طاقت آملتی ہے تو یہ دو دھاری تلوار پتھروں کو بھی کاٹ جاتی ہے۔ پھر جہاں قرآن کی بارانِ کلام کی پھواریں متواتر پڑ رہی تھیں، وہاں صاحب نبوت کا تکلم بھی درسوں، خطبوں، تقریروں اور گفتگوؤں میں ہر آن نور کی لہریں اٹھا رہا تھا۔ زمانے نے اس بحرِ مواج کے جو موتی محفوظ رکھے ہیں، ذرا آج ان کو جانچو—

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوٹے چھوٹے بول، تھوڑے لفظوں میں زیادہ معنی، ادبیت و خطابت کا زور، بات میں روح اخلاص گھلی ہوئی، گفتگو حالات پر منطبق ــ کسی دوسری شخصیت کا سمندر ایسے موتی پھر پیدا نہ کر سکا۔ پھر اسلامی تحریک کے شعراء اور ادیب اور خطیب تھے کہ جنہوں نے نئے فنی معیارات اور انقلابی اسالیب کے ساتھ جب سازِ نطق پر اسلام کے کلمۂ انقلاب کا زخمہ چلایا تو ان کی ہر موجِ آہنگ نے ریت کے ذرّوں میں بھی دھڑکتے ہوئے دل پیدا کر دیئے ہونگے۔ آج بھی اس دَور کے ذخیرۂ سخن کو اٹھا کر دیکھو تو حسان بن ثابتؓ اور کعب بن مالکؓ کا حسین تخیل ان کے مخلصانہ جذبوں کے پَر لگا کر عجیب عقابی شان سے اڑتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے نغمے جب روزمرّہ واقعات سے ہم آہنگ اور کشمکش کے ماحول سے مربوط ہو کر نمودار ہوتے ہونگے تو آخر انسانی دلوں پر کوئی تو کیفیت گزرتی ہوگی۔ مدعا یہ کہ اصل طاقت قولِ حق کی تھی جس کے سامنے ممکن نہ تھا کہ باطل میدان میں جما رہ سکے۔ ان الباطل کان زھوقا!

(باقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

۱۔ خلافت کے لیے قریشیت کی شرط
۲۔ حکمتِ عملی اور اختیارِ اہون البلیتین کی تشریح

سوال۔ حدیث الائمۃ من قریش کے متعلق آپ نے اپنے مضامین میں جو کچھ لکھا ہے اور اس پر بعض حلقوں کی طرف سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں، ان دونوں چیزوں کو دیکھ کر حسبِ ذیل امور تنقیح طلب محسوس ہوتے ہیں جن پر خالص علمی حیثیت سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے:

۱۔ کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ امر ہے نہ خبر نہ وصیت بلکہ یہ ایک قضیہ کا فیصلہ تھا جو خلافت کے بارے میں قریش اور انصار کے درمیان حضور کی زندگی ہی میں ذہنوں کے اندر موجود تھا اور حضورؐ کو اندیشہ تھا کہ آپ کے بعد یہ ایک نزاع کی صورت اختیار کر لیگا، اس لیے آپ نے اپنی زندگی میں یہ فیصلہ فرما دیا کہ آپ کے بعد قریش اور انصار میں سے قریش ہی خلافت کے حق دار ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ محض ایک وقتی فیصلہ تھا جس سے مقصود حضور کے فوراً بعد رونما ہونے والی نزاع کو رفع کرنا تھا اور بس۔ کیا حدیث مذکور کی یہ تعبیر درست ہے؟

۲۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے سے مساوات کا اصول نہیں ٹوٹتا کیونکہ اسلام میں مساوات کا اصول مطلق نہیں ہے بلکہ اہلیت و قابلیت کی شرط سے مقید ہے اور یہ شرط اصولِ مساوات کی ضد نہیں ہے۔ مساوات کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر شخص بلا لحاظِ اہلیت و صلاحیت ہر منصب کا مستحق ہو۔ اب چونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافت کے لیے اہلیت کی دوسری صفات کے ساتھ ساتھ سیاسی زور و اثر بھی ایک ضروری صفت ہے، اور اُس وقت یہ سیاسی زور و اثر قریش ہی کو حاصل تھا، اس لیے انصار کے مقابلے میں ان کے استحقاقِ خلافت کو جو ترجیح دی گئی وہ اہلیت ہی کی بنا پر دی گئی۔ اس استدلال کی بنا پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس فیصلے سے اصولِ مساوات نہیں ٹوٹتا۔ کیا یہ استدلال صحیح ہے؟

۳۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کبھی اس حدیث کو امر قرار دیتے ہیں اور کبھی اسے خبر ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے چراغِ راہ کے اسلامی قانون نمبر (جلد ا قل صفحہ ۱۸۰) سے آپ کی ایک عبارت نقل کی ہے جس میں آپ نے اس حدیث کو محض ایک پیشین گوئی قرار دیا تھا اور اس کے حکم ہونے سے انکار کیا تھا۔ حالانکہ اب آپ اسے ایک حکم قرار دیتے ہیں۔ کیا اس سے یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں نکلتی کہ یا تو آپ اس مسئلے کو سمجھے نہیں ہیں یا پھر آپ کبھی اپنے مطلب کے مطابق اس کا ایک مفہوم بناتے ہیں اور کبھی دوسرا؟

۴۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی وضاحت طلب ہے کہ وہ اصول کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے آپ مستنبط کرتے ہیں اور اس کا انطباق آپ کے نزدیک کن امور پر کس طرح ہوگا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اگر آپ امورِ ذیل کی وضاحت بھی کر دیں تو مناسب ہوگا:

(الف) حکمتِ عملی اور قاعدۂ اہون البلیتین سے آپ کی مراد کیا ہے؟

(ب) کیا یہ قاعدہ دو ناگزیر برائیوں کی طرح دو ناگزیر بھلائیوں اور دو واجب الاطاعت احکام کے درمیان بھی استعمال ہو سکتا ہے؟

(ج) کیا آپ چاہتے ہیں کہ اب اقامتِ دین کی جدوجہد انبیاء کے طریقِ عزیمت کو چھوڑ کر صرف رخصتوں اور حیلوں اور مصلحت پرستیوں ہی کے بل پر چلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سیاسی اغراض کے لیے دین کے جس اصول میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہو اسے حدود شریعت کا لحاظ کیے بغیر دینی حکمت و مصلحت کے نام سے کر ڈالا جائے۔

(د) کیا آپ تحریک اقامتِ دین کے قائد کی حیثیت سے خود اپنے لیے اس اختیار کے مدعی ہیں کہ حکمتِ عملی یا عملی سیاست یا اقامتِ دین کے مصالح کے تحت دین کے احکام و قوانین میں سے کسی کو ترک اور کسی کو اختیار کریں، کسی کو جائز اور کسی کو ناجائز ٹھہرائیں اور کسی کو مقدم اور کسی کو مؤخر کر دیں؟

(ہ) اگر یہ ڈھیلا ڈھالا اصول لوگوں کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے کہ تم دین کی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر جس بات کو چاہو اختیار اور جسے چاہو ترک کر سکتے ہو تو کیا اس سے یہ خطرہ نہیں کہ دین کے معاملے میں بالکل امان ہی اٹھ جائے گی اور جس کے ہاتھ میں یہ نسخہ پکڑا دیا جائے گا وہ پورے دین کا تیا پانچا کر کے رکھ دیگا؟

(و) یہ امر تو مسلّم ہے کہ شارع کو خود اپنے احکام میں تغیر و تبدل کرنے اور تقدیم و تاخیر کرنے یا ان میں رخصتیں دینے اور استثناء نکالنے کے اختیارات حاصل ہیں، مگر کیا شارع کے ان تصرّفات پر قیاس کر کے اور ان سے کچھ اصول مستنبط کر کے دوسرے بھی انہیں نئے پیش آمدہ مسائل پر چسپاں کرنے کا اختیار رکھتے ہیں؟ اور یہ اختیار آخر کس کو حاصل ہے؟

جواب - آپ کے سوالات کی ترتیب توڑ کر تیسرے سوال کا جواب میں پہلے دونگا تاکہ ایک ضمنی بحث بیچ میں آ کر اصل مسائل سے توجہ نہ ہٹا سکے۔ چراغِ راہ کے اسلامی قانون نمبر سے میری جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ دراصل آج سے ۲۰ سال پہلے اگست ۳۹ء کے ترجمان القرآن میں ایک مستشرق کے مضمون "اسلامی قانون اور نظامِ معاشرت" پر مختصر نوٹ کی حیثیت سے لکھی گئی تھی۔ اُس وقت تک مجھے اس مسئلے کی تحقیق کا موقع نہ ملا تھا اور میں نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تحقیق پر اعتماد کر کے ایک رائے ظاہر کر دی تھی[1] لیکن بعد میں جب میں نے خود تحقیق کی تو مجھے

[1] اس کی تاریخ یہ ہے کہ تحریکِ خلافت کے آغاز میں یورپ کے مستشرقین نے یہ سوال اٹھایا تھا اور ہندوستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ رائے غلط محسوس ہوئی اور میں نے اپریل ۱۹۴۶ء کے ترجمان القرآن میں اس کے خلاف اپنی اس بدلی ہوئی رائے کا اظہار کیا جسے آپ "خلافت کے لیے قرشیت کی شرط" کے زیر عنوان رسائل و مسائل جلد اول میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ علمی مسائل میں رائے بدلنا کوئی نیا اور نرالا واقعہ نہیں ہے۔ اس کو اگر کسی بُرے معنی پر کوئی شخص محمول کرنا چاہے تو اسے اپنے فعل کا اختیار ہے میری تبدیلی رائے کے وجوہ آگے آپ خود دیکھ لینگے۔

اب اصل مسائل کی طرف آئیے۔ آپ نے اپنے سوال ۱ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی جو توجیہ نقل کی ہے اس میں پہلی ناقابلِ فہم بات تو یہ ہے کہ کسی معاملہ میں ایک حکم دینے اور کسی قضیے کا فیصلہ کر دینے میں آخر وہ کیا باریک فرق ہے جس کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ یہ امر نہ تھا بلکہ ایک قضیے کا فیصلہ تھا۔ پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ حضورؐ نے خواہ انصار پر قریش کے حقِ خلافت کو ترجیح دی ہو یا تمام عرب و عجم پر، اس سے نفس مسئلۂ زیر بحث پر آخر کیا اثر پڑتا ہے۔ لیکن ان دونوں باتوں کو تھوڑی دیر کے لیے نظر انداز کر کے اگر آپ بجائے خود اس توجیہ کا علمی جائزہ لیں تو آپ کو محسوس ہو گا کہ یہ محض ایک خانہ ساز توجیہ ہے جس کی پشت پر زعم اور ادّعا کے سوا کوئی دلیل و ثبوت نہیں ہے۔ کیا فی الواقع حدیث، سیرت اور تاریخ کے پورے ذخیرے میں کوئی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ حضورؐ کے حینِ حیات انصار اور مہاجرین کے درمیان خلافت کے متعلق کوئی قضیہ پایا جاتا تھا؟ صحابۂ کرام کا حال تو یہ تھا کہ وہ حضورؐ کی وفات کا تصور بھی برداشت نہ کرتے تھے، کجا کہ یہ جاں نثارانِ نبی آپ کے جیتے جی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے کر یہ سوچتے ہوں کہ آپ کی جانشینی ان میں سے کسے حاصل ہو۔

؎ کی انگریزی حکومت نے بعض مولوی صاحبان سے اس کی تائید کرائی تھی کہ سلاطینِ عثمانی کی تو خلافت ہی باطل ہے کیونکہ وہ قرشی النسب نہیں ہیں اور شریعت کی رُو سے خلیفہ ہونے کے لیے قرشی ہونا شرط ہے اس پر مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے ۱۹۲۰ء میں کلکتہ خلافت کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا تھا جو بعد میں "مسئلۂ خلافت و جزیرۃ العرب" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے بڑے زوردار طریقہ سے یہ بیان کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد الائمۃ من قریش سرے سے حکم تھا ہی نہیں بلکہ وہ محض ایک خبر تھی جو حضورؐ نے آنے والے حالات کے متعلق دی تھی۔ مولانا کی اسی تحقیق کا اثر میرے ذہن پر تھا جس کے تحت میں نے مذکورہ بالا نوٹ میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یہ سوچ اس حد تک پہنچ جاتے کہ وہ انصار و مہاجرین کے درمیان ایک قضیے کی شکل اختیار کر گئی ہو تو یہ ایک سراسر بے اصل بات ہے جو تاریخی ثبوت کے ادنیٰ شائبے کے بغیر گھر بیٹھے تصنیف کر ڈالی گئی ہے۔

پھر اس پر اس سے بھی زیادہ ایک ہوائی مفروضے کی عمارت یہ تعمیر کی گئی ہے کہ حضورؐ نے قریش کے استحقاقِ خلافت کے بارے میں جو کچھ بھی فرمایا اس سے مقصود دراصل اسی قضیے کا فیصلہ کرنا تھا۔ سوال یہ ہے کہ آخر کسی شخص کو حضورؐ کے اس منشا کا علم کس ذریعہ سے حاصل ہو گیا؟ کیا حضورؐ نے خود اس کی صراحت فرمائی تھی؟ یا آپ کے کلام یا اس کے متعلقات میں کوئی قرینہ ایسا پایا جاتا ہے جس سے یہ منشا مترشح ہوتا ہو؟ یا حضورؐ کے بعد ائمہ اہلِ علم میں سے کسی نے آپ کا یہ منشا سمجھا؟ اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے تو آخر اس جسارت کی کوئی حد بھی ہے کہ آدمی جس چیز کو چاہے بلا دلیل و ثبوت شارع کا منشا قرار دے بیٹھے۔

احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک ہی قول اس مسئلے کے متعلق منقول نہیں ہے بلکہ حضورؐ نے متعدد مواقع پر اسے مختلف طریقوں سے ارشاد فرمایا ہے۔ ان ارشادات کو خود دیکھ لیجیے اور بتائیے کہ ان میں کہاں اس منشا کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھٰذا الامر فی قریش لایعادیھم احد الاکبہ اللہ فی النار علی وجھہ ما اقاموا الدین "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ یہ کام قریش میں رہے گا، جو شخص بھی اس میں ان کی مخالفت کرے گا اسے اللہ اوندھے منہ آگ میں پھینک دیگا، جب تک کہ وہ دین کو قائم کرتے رہیں۔"

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضورؐ کی ایک تقریر نقل کرتے ہیں جو آپ نے قریش کو خطاب کر کے ارشاد فرمائی: اما بعد یا معشر قریش فانکم اھل ھٰذا الامر مالم تعصوا اللہ فاذا عصیتموہ بعث الیکم من یلحاکم کما یلحی ھٰذا القضیب۔ "اما بعد، اے گروہِ قریش تم اس کام کے اہل ہو جب تک کہ اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔ پھر اگر نافرمانی کرو گے تو اللہ تم پر کسی کو بھیجے گا جو تمہاری کھال اس طرح اتار دیگا جیسے اِس ٹہنی کی چھال اتار دی جاتی ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُسند احمد اور مسند ابو داؤد طیالسی میں حضرت ابو برزہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا
الائمۃ من قریش ما عملوا بثلٰث، ما حکموا فعدلوا واسترحموا فرحموا وعاھدوا
فوفوا فمن لم یفعل ذالک منھم فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔ "امام
قریش میں سے ہونگے جب تک کہ وہ تین باتوں پر عمل کرتے رہیں۔ حکم کریں تو عدل کے ساتھ کریں جب
ان سے رحم طلب کیا جائے تو رحم کریں۔ جب عہد کریں تو وفا کریں۔ پھر جو ان میں سے ایسا نہ کرے
اس پر خدا اور فرشتوں اور انسانوں کی لعنت۔" قریب قریب یہی مضمون اس سے ملتے جلتے الفاظ
میں ان دونوں ائمۂ حدیث نے حضرت انس بن مالکؓ سے بھی نقل کیا ہے۔

امام شافعیؒ اور بیہقیؒ نے عطاء کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے قریش کو خطاب
کرکے فرمایا انتم اولی الناس بھذا الامر ما کنتم علی الحق الا ان تعدلوا عنہ فتلحون
کما تلحی ھٰذہ الجریدۃ۔ "تم اس کارِ حکومت کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہو جب تک کہ
حق پر قائم رہو۔ لیکن اگر حق سے منہ موڑو گے تو تمہاری کھال اس طرح کھینچی جائے گی جیسے اس
ٹہنی کی چھال اتار دی جائے۔"

بیہقیؒ، طبرانیؒ اور شافعیؒ نے مختلف سندوں سے حضورؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ قدموا
قریشًا ولا تقدموھا۔ "قریش کو آگے کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو۔"

مُسند احمد میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ قریش قادۃ الناس۔ "قریش
لوگوں کے قائد و رہنما ہیں۔"

یہ تمام روایات صاف بتا رہی ہیں کہ حضورؐ نے محض اپنے فوراً بعد رونما ہونے والے کسی
قضیۂ خلافت کا فیصلہ نہیں فرمایا تھا بلکہ مستقل طور پر یہ طے فرما دیا تھا کہ جب تک قریش میں چند
خاص صفات موجود رہیں اس وقت تک دوسروں کی بہ نسبت وہ اور اگر دوسروں میں بھی یہ
صفات موجود ہوں، خلافت پر ان کا حق مرجح ہوگا۔ اس میں صرف انصار پر ترجیح کا مسئلہ نہ تھا بلکہ تمام
عرب و عجم کے مسلمانوں پر اس قبیلے کی مشروط ترجیح کا فیصلہ تھا۔ یہی مطلب ان ارشادات کا تمام علمائے

© rasailojaraid.com